نشری تقریر

ڈاکٹر اسرار احمد

# نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت منتظم

احمدہٗ واصلی علی رسولہ الکریم، امّا بعد، فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

ہمارا ایمان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم صرف ایک نبی ہی نہیں "خاتم النبیین" ہیں اور صرف ایک رسُول ہی نہیں "آخر المرسلین" ہیں۔ اس طرح جہاں نفسِ نبوّت ایک قدر مشترک ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم اور جملہ انبیاء و رسل کے مابین، وہاں ختمِ نبوّت آپ کا وہ امتیازی وصف ہے جس میں کوئی دُوسرا نبی یا رسُول آپ کا شریک و ہمسر نہیں۔ گویا اس اعتبار سے آپ کی مُبارک شخصیت میں اللہ تعالیٰ کی شانِ یکتائی کا ایک پرتو بتمام و کمال موجود ہے — مزید برآں آپؐ کی ذاتِ مبارکہ پر نبوّت ختم ہی نہیں ہُوئی مرتبۂ اتمام و اکمال کو بھی پہنچی ہے اور آپ کی ذاتِ والاصفات پر رسالت کا سلسلہ منقطع ہی نہیں ہُوا درجۂ تکمیل کو بھی پہنچا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس اٹل فیصلہ کا اظہار و اعلان کہ آپؐ پر نورِ نبوّت و رسالت کا اتمام و اکمال بھی ہو کر رہے گا اور نعمتِ شریعت و ہدایت کی تکمیل بھی، زبانِ وحی سے بار بار ہوتا رہا۔ جیسے سورۂ صف میں فرمایا: "وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ" یعنی اللہ اپنے نُور کا اتمام فرما کر رہے گا خواہ یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو — اور سورۂ توبہ میں فرمایا: "وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ!" یعنی اللہ کو ہرگز منظور نہیں مگر یہ کہ وہ اپنے نُور کا اتمام فرما کر رہے گا خواہ کافر کتنا ہی ناپسند کریں اور اس پر آخری مہر تصدیق ثبت کر دی اُس آیۂ مبارکہ نے جو عین حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہُوئی۔ یعنی "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ" یعنی آج کے دن میں نے تمہارے

لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام فرما دیا۔ فلهُ الحمدُ والمِنّة!!

اب اس پر غور فرمائیے کہ نفسِ نبوّت اور ختمِ نبوّت کے اعتبار سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور بنا بریں آپؐ کی شخصیت کے دو پہلو ہیں :

۱ : نفسِ نبوّت کی رعایت سے آپؐ شاہد بھی تھے اور بشیر و نذیر بھی، بمصداقِ الفاظِ قرآنی : "اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا" — داعی بھی تھے اور مبلّغ و مذکّر بھی، — اور معلّم بھی تھے اور مربّی و مزکّی بھی — اور اس اعتبار سے آپؐ کی عظمت کا مظہرِ اتم وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جو آپ کی دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تربیت کے ذریعے تیار ہوئے جنہیں ہم صحابہ کرام کے نام سے یاد کرتے ہیں اور جن سے بہتر یا افضل کوئی جماعت اس زمین کی پشت پر اور اس آسمان کے نیچے کبھی دیکھنے میں نہ آئی، رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاھم اجمعین!

۲ : اتمام و اکمالِ نبوّت و رسالت کے مقاصد کی تکمیل کے اعتبار سے آپؐ نسلِ آدم کے عظیم ترین انقلابی رہنما، ہمہ گیر ترین اسلامی تحریک کے قائد، پاکیزہ ترین معاشرے اور عمدہ ترین تہذیب و ثقافت کے مؤسس، بہترین نظامِ حکومت کے بانی اور عدل و انصاف کے اعلیٰ ترین اصولوں پر مبنی نظامِ معیشت کے قائم کرنے والے ہیں اور ان تمام حیثیتوں سے آپؐ کے کمالات کا مظہرِ جامع وہ نظامِ حیات ہے جو آپؐ نے نوعِ انسانی کو صرف نظری طور پر ہی عنایت نہیں فرمایا بلکہ اپنی بہترین عملی و انتظامی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اسے ایک وسیع و عریض خطۂ ارضی پر بالفعل قائم فرما دیا اور اس طرح اس کا ایک کامل نمونہ عملاً پیش کر دیا تاکہ نوعِ انسانی پر ہمیشہ ہمیش کے لیے اللہ کی حجّتِ بالغہ قائم ہو جائے اور محاسبۂ اخروی کے موقع پر انسان یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں اپنے اُلجھے ہوئے عمرانی عقدوں اور پیچ در پیچ سیاسی و معاشی مسائل کا کوئی متوازن اور معتدل حل دیا ہی نہیں گیا —

یہ بات بادنیٰ تامّل سمجھ میں آسکتی ہے کہ اگرچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ مبارکہ کے مقدّم الذکر پہلو کے اعتبار سے بھی حکمتِ تامّہ کی بھی ضرورت تھی اور بصیرتِ کاملہ کی بھی — بالخصوص نفسیاتِ انسانی کا گہرا فہم تو اس کے ضمن میں لازمی و لابدی اہمیّت کا حامل ہے لیکن بعثتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا مؤخر الذکر پہلو تو ان سے بھی بڑھ کر اجتماعیاتِ انسانی کے ضمن میں گہری بصیرت اور اعلیٰ ترین انتظامی صلاحیتوں کا متقاضی تھا جن کے بغیر اس میدان

میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا جاسکتا، کجا یہ کہ کامیابی کے آخری مراحل سے ہم کنار ہُوا جاسکے! اور واقعہ یہ ہے کہ سیرتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام کا یہ پہلو اس درجہ روشن و تابناک ہے کہ اغیار و اعداء کو بھی اپنی تمام تر کور چشمی اور بد باطنی کے باوصف پُوری آب و تاب کے ساتھ نظر آ رہا ہے! چنانچہ ایچ جی ویلز ہو یا سر ولیم میور اور ٹائن بی ہو یا پروفیسر منٹگمری واٹ سب نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ تدبّر و معاملہ فہمی، دُور اندیشی و پیش بینی اور حُسنِ تدبیر و حُسنِ انتظام کو بھرپُور خراجِ تحسین ادا کیا ہے۔ اگرچہ یہ سعادت تو صرف دورِ حاضر کے ایک امریکی مصنّف مسٹر ہارٹ کے حصّے میں آنے والی تھی کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے دونوں پہلوؤں کو مساوی طور پر خراجِ تحسین ادا کرتا۔ بایں طور کہ اس نے اپنی تصنیف "THE 100" یعنی "نسل انسانی کے سو عظیم ترین افراد" میں سرِ فہرست رکھا ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دلیل کے ساتھ کہ:

*"He was the only man in history who was supremely successful on both the religious and secular levels."*

—————— یعنی آپؐ دینی و روحانی اور دنیوی و سیاسی جملہ اعتبارات سے نسل انسانی کے کامیاب ترین فرد ہیں! واضح رہے کہ اِن آراء کا تذکرہ صرف اس عربی مقولے کے پیشِ نظر کیا جا رہا ہے کہ "اَلفضلُ ما شَہِدَتْ بہ الاعداءُ" یعنی اصل فضیلت وہ ہے جس کی گواہی دشمن دیں، ورنہ نہ ان لوگوں کے یہ اقوال ہمارے لیے کسی بھی درجے میں سند ہیں، نہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کسی درجے میں ان کی محتاج ہے۔ الغرض آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ مبارکہ کے مؤخر الذکر تکمیلی و اتمامی پہلو میں آپؐ کی تنظیمی و انتظامی صلاحیتوں کا ظہور بتمام و کمال ہُوا۔

مثل مشہور ہے "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" چنانچہ نبی اکرمؐ کی سیرت و شخصیت میں بھی تنظیمی و انتظامی صلاحیتوں کا ظہور شروع ہی سے ہوگیا تھا۔ تجارت اور کاروبار کے ضمن میں ان کا اظہار جس شان و شوکت سے ہُوا وہ تو اظہر من الشمس ہے ہی اس لیے کہ یہ اسی کی بنا پر ہُوا کہ ایک جانب قوم نے آپؐ کو 'الصادق' اور 'الامین' کا خطاب دیا اور دوسری جانب آپؐ ہی کی طرح قوم سے 'الطاہرہ' کے خطاب کی صورت میں اپنی پاک دامنی اور حُسنِ اخلاق کا لوہا منوا لینے والی خاتون حضرتِ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی طرف سے پیغامِ نکاح موصول ہُوا۔ تجارت کے علاوہ دوسرے قومی معاملات میں بھی قبل از آغازِ وحی

آپ کے حُسنِ تدبیر اور حُسنِ انتظام کی اعلیٰ صلاحیتوں کا ظہور وقتاً فوقتاً ہوتا رہا۔ مثلاً یہ کہ "حِلف الفضول" کے ذریعے آپ نے قوم کے ایسے صالح نوجوانوں کو منظم کرنے کی سعی فرمائی جو ظالم کا ہاتھ روکنے اور مظلوم کی مدد کرنے کے لیے جان و مال کی بازی لگانے کا حلف اُٹھائیں اور کعبے کی تعمیرِ نو کے دوران حجرِ اسود کو نصب کرنے کے موقع پر جس خون خرابے کا اندیشہ پیدا ہوگیا تھا وہ صرف آپؐ کے تدبّر و حسنِ انتظام کی بدولت ٹل سکا!

آغازِ وحی کے بعد سے ہجرت تک کے زمانے میں اگرچہ مجموعی طور پر آپؐ کی سیرتِ مطہرہ کے بعض دوسرے پہلو جو دعوت و تبلیغ اور تزکیہ و تربیت سے زیادہ مناسبت رکھتے تھے زیادہ نمایاں رہے، تاہم اس دوران میں بھی ایک جانب تو حسنِ انتظام کا ظہور دعوت و تبلیغ کے لیے اختیار کئے جانے والے طریقوں اور ذریعوں کے ضمن میں ہوتا رہا، جیسے "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ" یعنی "خبردار کیجئے اپنے قریبی عزیزوں کو" کے حکمِ ربّانی پر عمل کے سلسلے میں دوبار دعوتِ طعام کا اہتمام اور "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ" یعنی "اب ڈنکے کی چوٹ کہیے جس کا حکم آپ کو دیا گیا ہے!" کے حکمِ خداوندی کے ضمن میں قوم کو جمع کرنے کے لیے عمدہ ترین انتظامی تدبیر یعنی کوہِ صفا پر چڑھ کر "واصباحاہ" کا نعرہ لگانا! وَقِسْ علیٰ ذالك ــــ اور دوسری طرف اسی دعوتی و تبلیغی سرگرمی کے بالکل متوازی اور پہلو بہ پہلو آپؐ کی تنظیمی استعداد بھی بھرپور طور پر مسلسل بروئے کار رہی جس کے نتیجے میں آپؐ نے دعوت و تبلیغ کے ذریعے جو انسانی مواد یعنی "Human Material" جمع کیا اُس نے بدھ مت کے بھکشوؤں کے مانند فقیروں اور درویشوں کے ایک انبوہ کے بجائے "اعلاءِ کلمۃ اللہ" اور "اظہارِ دینِ حق" کے لیے جان لڑا دینے والوں کی ایک ایسی منظم جماعت کی صورت اختیار کی جس نے مدنی دَور میں اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ" یعنی "اللہ تو محبّت کرتا ہے ان سے جو اس کی راہ میں جنگ کریں ایسی صفیں باندھ کر گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں!" کی عملی تفسیر بن کر دکھا دیا ــ یہ تنظیم ظاہر ہے کہ کسی ایسے ناظم یا منتظم کے بغیر ممکن نہیں ہے جس میں تنظیمی و انتظامی صلاحیتیں درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی ہوں ـــ اور یہ ناظم اور منتظم ظاہر ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے!

حیاتِ طیبہ کے مکّی دَور کے وسط میں تعذیب و تشدد یعنی Persecution

کے شدّت اختیار کرنے پر اہلِ ایمان کو ارضِ حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت بھی آپ کے حسنِ انتظام کا شاہکار ہے ـــ اور پھر ہجرتِ مدینہ منوّرہ کے موقع پر بھی اس عظیم نقلِ مکانی کو اس طور سے منظم کرنا کہ جماعت المسلمین کے اکثر افراد کو اپنے سامنے مدینہ روانہ فرمانے کے بعد آپ نے آخر میں رختِ سفر باندھا جس کے نتیجے میں سفرِ ہجرت نے ایک منظم نقل وحرکت کی صُورت اختیار کر لی نہ کہ کسی بھگدڑ یا فرار کی ـــ یہ پُوری صورتِ حال بھی بلاشبہ ایک عظیم تنظیمی و انتظامی استعداد کی مظہرِ اتم ہے !

رہا مدنی دَور تو اس کے بارے میں تو کچھ عرض کرنا بلاشبہ سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، اس لیے کہ جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ان دس سالوں کے دوران آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسنِ تدبّر و معاملہ فہمی ، دُور اندیشی و پیش بینی، ترتیب و تنظیم اور انتظام و انصرام کے ایک دو نہیں سینکڑوں اور ہزاروں مظاہر سامنے آتے ہیں جن پر مؤرخین اور محققین کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں اور بڑے سے بڑے مُدبّر و سیاستدان دنگ رہ جاتے ہیں اور اعلیٰ سے اعلیٰ ناظم اور منتظم حیران و ششدر رہ جاتے ہیں کہ ایک فردِ واحد میں اور اتنے محاسن و کمالات کا اجتماع ، ہر جہت اور ہر پہلو سے حسنِ تدبیر و تدبّر اور حسنِ تنظیم و انتظام کا مظہرِ اتمّ ، پھر لطف یہ کہ حیاتِ انسانی کے کسی ایک ایسے گوشے کا تعین ممکن ہی نہیں جس کے بارے میں یہ کہا جا سکے کہ اس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسنِ انتظام کا ظہور دوسرے گوشوں سے زیادہ ہُوا ہے ۔ گویا بات صد فی صد وہی ہے کہ ؂

"ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دِل می کشد کہ جا ایں جا ست"

مسلمانوں کا جو اجتماعی نظام نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا، اس میں نظم و تنظیم کو جو اہمیت آپؐ نے دی اس کا سب سے بڑا مظہر یہ ہے کہ آپؐ نے عبادات کے نظام کو بھی ایک اجتماعی نظم کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ یہاں تک کہ نماز کے بارے میں شدید تاکید فرما دی کہ اسے باجماعت ادا کیا جائے، خواہ سفر ہو خواہ حضر اسے کسی صورت ترک نہ کیا جائے ۔ چنانچہ امام ابو داؤدؒ نے ایک روایت حضرت ابو سعید خُدریؓ سے یہ نقل فرمائی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اِذَا کَانَ ثَلَاثَۃٌ

فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوْا اَحَدَهُمْ" یعنی جب سفر میں تین آدمی ہوں تو ان میں سے ایک کو لازماً امیر بنا لیا جائے اور دوسری روایت حضرت ابو الدرداءؓ سے نقل فرمائی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : مَا مِنْ ثَلٰثَةٍ فِيْ قَرْيَةٍ اَوْ بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِيْهِمُ الصَّلٰوةُ اِلَّا وَ قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ فَاِنَّمَا يَاْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِيَةَ " یعنی" اگر کسی بستی یا جنگل میں تین آدمی ہوں اور پھر وہ نماز باجماعت کا نظام قائم نہ کریں تو ان پر شیطان لازماً مسلط ہو کر رہے گا۔ سنو! جماعت سے وابستہ رہو اس لیے کہ بھیڑیا ریوڑ سے علیحدہ رہنے والی بھیڑ کو ضرور ہڑپ کر جاتا ہے !" پھر اس نماز باجماعت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذوقِ ترتیب وتنظیم اسے برداشت نہ کر سکتا تھا کہ صف ٹیڑھی ہو، اس لیے کہ صفوں کی کجی بھی جذبِ اندرون کے فقدان کی غمازی کرتی ہے، لہٰذا تکبیر تحریمہ سے قبل آپؐ کی نوائے شیریں بلاناغہ بلند ہوتی تھی کہ " سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ فَاِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ اِقَامَةِ الصَّلٰوةِ !" اپنی صفوں کو سیدھا کرو، اس لیے کہ صفوں کو سیدھا کرنا بھی اقامتِ صلوٰۃ کے آداب میں سے ہے !! ۔ مسلمانوں کی حیاتِ ملّی کے اس اساسی اور بنیادی شعبے یعنی عبادت میں جس میں بالعموم اجتماعیت پر انفرادیت مقدّم رہتی ہے، نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نظم وتنظیم کو اس درجہ اہمیت دی ہے تو اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ حیاتِ اجتماعی کے دوسرے شعبوں میں انتظام و انصرام کا عالم کیا ہوگا — !

ع " قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا !"

مدینہ منورہ کی چھوٹی سی شہری اسلامی ریاست کا چارج سنبھالنے کے فوراً بعد معاشرے کی تنظیمِ نو اور دفاعی انتظامات کا جو اہتمام آپ نے فرمایا وہ ملّی و ملکی سطح پر حکومت و ریاست کے معاملات کے ضمن میں آپ کے حسن انتظام کی نہایت اعلیٰ مثال ہے ۔ چنانچہ ایک جانب آپؐ نے یہود سے معاہدے کر کے مدینے کے دفاع کا انتظام فرمایا — اور دوسری جانب مہاجرین اور انصار میں مواخات یعنی بھائی چارے کے ذریعے معاشرے کی تنظیم نو کا اہتمام کیا اور یہ بات بادنیٰ تامل سمجھ میں آسکتی ہے کہ ان دونوں معاملات میں ادنیٰ سی چوک یا ذرا سی تاخیر بھی آئندہ حالات و واقعات کے رُخ کو بالکل بدل کر رکھ سکتی تھی ! اور کسی بھی مدبر یا منتظم کے وقت کے تقاضوں کو بر وقت سمجھ کر ان کے لیے

مناسب انتظام کر لینے ہی میں کامیابی کا راز مضمر ہوتا ہے!

مدنی دَور کے ابتدائی آٹھ سالوں کے اکثر و بیشتر حصّے کے دوران مسلّح تصادم کا سلسلہ جاری رہا۔ اور اس کے ضمن میں بھی جہاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی دُور اندیشی اور معاملہ فہمی کے شاہکار مسلسل سامنے آتے ہیں اور آپ کی حکمتِ حربی، مہارتِ جنگ اور سپہ سالارانہ صلاحیتوں کا اظہار ایسے پرشکوہ انداز میں ہوتا ہے کہ دوست دشمن سب مرحبا کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں وہاں فوجوں کی ترتیب و تنظیم، رسد کا اہتمام و انصرام، چھاپہ مار دستوں کی بر موقع ترسیل اور دشمن کی ہر ممکن چال کو ناکام بنانے کے لیے پیش بندی کے ضمن میں آپؐ کی انتظامی صلاحیتوں کا ظہور بھی بتمام و کمال ہوتا رہا۔

تا آنکہ ۸ھ میں فتح مکّہ اور معرکۂ حنین کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو عرب پر فیصلہ کن غلبہ عطا فرما دیا اور اطراف و اکنافِ عرب سے تمام قبائل کے وفود نے مدینہ منوّرہ حاضر ہو کر اطاعت قبول کر لی گویا "وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا" کا سماں بندھ گیا تب آپؐ کی انتظامی صلاحیتیں پُورے طور پر بروئے کار آئیں اور پُورے جزیرہ نمائے عرب میں وہ نظام قائم ہُوا جس کی داغ بیل تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے بنفسِ نفیس اپنی حیاتِ دنیوی کے آخری دو سالوں کے دوران ڈال دی تھی لیکن جس پر نظامِ اسلامی کا قصرِ عظیم اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ دورانِ خلافتِ راشدہ تعمیر ہُوا۔

اس انتظام و انصرامِ مملکتِ اسلامی کے ضمن میں ولاۃ و عمّال کا تقرر بھی شامل تھا، ائمہ و مؤذنین کی تقرری بھی شامل تھی، محصّلینِ زکوٰۃ و جزیہ کی نامزدگی بھی تھی، جنگوں کا انسداد بھی تھا، غیر قوموں سے گفت و شنید و صلح و مصالحت کے معاملات بھی تھے، انسدادِ جرائم اور اقامتِ حدود و اِجرائے تعزیرات کا نظام بھی تھا۔ حکّام و عمّال اور محصّلینِ زکوٰۃ و فدیہ کی خبرگیری اور احتساب کا سلسلہ بھی تھا اور ان سب کے ساتھ ساتھ تھا قیامِ حکومتِ اسلامی کا اصل اور اوّلین مقصد یعنی تبلیغ و دعوتِ دین، تربیت و اصلاحِ عوام اور تعلیم و تلقینِ شریعت!! اور یہ سب کچھ تو تھا اندرونِ ملکِ عرب! اس پر مستزاد نفسِ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثتِ عمومی "اِلٰى كَافَّةِ النَّاسِ بشيراً ونذيراً" کی ذمّہ داریوں کے ذیل میں آپؐ کی مصروفیات یعنی تحریرِ دعوت

نامہ ہائے مبارک اور ترسیلِ وفود، اور چونکہ ان کے ضمن میں آغاز ہو گیا سلطنتِ روما کے ساتھ عسکری تصادم کا، لہٰذا ترتیب و تنظیمِ جیوش، جس کے ضمن میں اولاً واقع ہوئی ثانیاً پیش آیا غزوۂ موتہ، سفرِ تبوک اور ثالثاً تیار ہوا جیشِ اُسامہ، جو روانگی کے لیے تیار ہی تھا کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس جہانِ فانی سے کوچ کیا اور رفیقِ اعلیٰ کی جانب مراجعت اختیار فرمالی۔

فصلّی اللّٰہ علیہ وسلّم تسلیماً کثیراً کثیراً و فداہ آباؤنا وامّھاتنا!

عقلیں دنگ ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ دنیوی کے آخری دو سال کتنی متنوّع اور گوناگوں مصروفیتوں میں بسر کیے ــ اور پھر یہ کہ آج تک کوئی نہیں کہہ سکا کہ فلاں معاملے میں انتظامی اعتبار سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی غلطی کا صدور ہو گیا تھا: "فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ o ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِيْرٌ o" ذرا نظر دوڑاؤ تو ــ کوئی خامی نظر آتی ہے؟ پھر بار بار اچھی طرح دیکھو، تمہاری نگاہ تھک ہار کر واپس آجائے گی اور کسی پہلو سے کسی غلطی کی نشاندہی تم نہ کر سکو گے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

## بقیہ: لغات و اعرابِ قرآن

● مندرجہ بالا لغوی تشریح کے پیشِ نظر "الخاسرون" کا ترجمہ "خسارہ پانے والے" بنتا ہے۔ اسی کو بعض مترجمین نے "ٹوٹا پانے والے" (ٹوٹا بمعنی گھاٹا یا نقصان پرانی اردو میں مستعمل تھا)، بعض نے "ٹوٹے والے" کیا ہے جب کہ بعض نے "خسارے میں پڑنے والے"، اور بعض نے "نقصان اٹھانے والے" سے ترجمہ کیا ہے جو زیادہ قابلِ فہم ہے۔ بعض نے "نقصان میں ہیں" کو اختیار کیا ہے جو لفظ سے ذرا ہٹ کر ہے۔ اور بعض نے "نقصان اٹھائیں گے"، "ٹوٹا اٹھادیں گے"، یا "..... کو آیا نقصان" کی صورت میں یعنی جملہ فعلیہ کی طرح ترجمہ کر دیا ہے۔ اسے صرف مفہوم و محاورہ کے اعتبار سے ہی درست ہی کہہ سکتے ہیں ورنہ اصل جملہ تو اسمیہ ہے۔ (جاری ہے)